سید اکرام الحق جاوید

غیرت اور بے غیرتی کا مقابلہ
میراتھن ریس۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''مشرف بہ اسلام'' ہونے کی منتظر ہے

صدر پاکستان کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی کو مدنظر رکھتے ہوئے پنجاب حکومت نے میراتھن ریس کو ہر ضلع میں متعارف کرایا۔'' دوڑ میرے لاہور دوڑ'' تو کامیاب ہو گیا لیکن جونہی گوجرانوالہ آیا، حکومت اور اپوزیشن میں ٹھن بن گئی۔ ٹھن کیا گئی بلکہ حکومت کے لئے مصیبت بن گئی۔ اہل گوجرانوالہ نے کہا ہم بیٹیوں کو دوڑ نے نہیں دیں گے۔ ضلعی حکومت نے کہا نہیں لڑکیاں دوڑیں گی۔ لڑکیاں تو نہیں دوڑ سکیں۔ البتہ دونوں میں ریس لگ گئی۔ جلاؤ، گھیراؤ، لاٹھی چارج۔ فائرنگ اور آتشزدگی کی نئی سیاسی میراتھن نے جنم لیا۔ اسمبلی پہنچنے کی بجائے رکن قومی اسمبلی ساہیوال جیل پہنچ گئے۔ ان کا بچہ زخمی ہوا۔ بیسیوں اور درجنوں شہریوں کو زخم آئے۔ غیرت اور بے غیرتی کے درمیان میدان جما اور یوں گوجرانوالہ کی میراتھن نے ہر ضلع میں احتجاج کو حوصلہ بخشا۔ اب صورتحال یہ ہے کہ کئی اضلاع میں میراتھن منسوخ ہو چکی اور راولپنڈی کی طرح کئی اضلاع میں مری مری ہوئی میراتھن نکلی بھی۔ لیکن نہ نکلنے کے برابر۔ اگر چہ لاکھوں پاکستانیوں کو صدر پاکستان کی اعتدال پسندی اور روشن خیال پالیسی سے اتفاق ہوگا۔ لیکن اس بات پر کسی کو اختلاف نہیں کہ قوم کی بیٹیوں اور بچیوں کی عزت و غیرت کو روشن خیالی کے بھینٹ نہ چڑھایا جائے۔

ایم ایم اے کے احتجاج میں جو حمیت اور غیرت کا طوفان تھا اس میں ان لوگوں کے جذبات بھی شامل تھے جو شاید ایم ایم اے کے حامی بھی نہ ہوں۔ ہم پاکستانی چاہے جتنے بھی ترقی پسند ہو لیں مگر ہم اس حد تک ہرگز ترقی پسند نہیں ہو سکتے کہ جس حد تک کہ مغرب۔

صدر پاکستان کی روشن خیالی کے حوالے سے جب بھی بات ہوتی ہے تو صدر کے اس نظریے سے اتفاق تو کرنا پڑتا ہے کہ دنیا کو پاکستان کا سوفٹ فیس (SOFT FACE) بھی رکھانا چاہیے یعنی خوشحال پاکستان۔ ہرا بھرا (پاکستان) اور بقول شخصے ناچتا گاتا پاکستان، رنگ بھرا پاکستان حتیٰ کہ اچھلتا کودتا پاکستان۔ چنانچہ حکومت کی طرف بسنت کے تہوار کی سرپرستی بھی اس انقلابی تبدیلی کی مظہر تھی پاکستان کی جس تصویر میں دہشت گردی، فائرنگ قتل وغارت گری، فرقہ واریت، تشدد، دھماکہ کاری، نعرہ بازی، اور عبادت گاہوں میں خون کی ہولی نظر آتی ہے۔

اس تصویر کا دوسرا عکس امن وآشتی، خوشحالی، بھائی چارہ، برداشت، اخوت، مل جل کر رہنے کا عزم، صنعتی ترقی، زرعی انقلاب اور فروغ علم سے مزین ہونا چاہیے۔

میراتھن کا خیال چاہے جس بیوروکریٹ اور دانشور کا ہو۔ اس میں ہرگز برائی نہیں۔ خود عہد نبوی اور اس کے بعد کھیلیں کھیلی جاتیں۔ جسمانی ورزش کے مظاہرے ہوتے طاقت کا اظہار ہوتا۔ اسلام نے تو اس امر کی حمایت کی ہے۔ گھوڑے دوڑتے، اونٹ بھاگتے، نیزہ بازی ہوتی، محفلیں جمتیں۔ اور اس دور کی عوام میں مقابلہ کا انتظار رہتا اور مہینوں تک اس کا چرچا۔

اب بھی پاکستان میں کھیلوں کے فروغ کے لئے جو کوششیں ہوتی ہیں اہل دل اور محب وطن طبقے اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ نوجوان نسل میں صحت مند مقابلے ہونے چاہئیں بلکہ ضرور ہونے چاہئیں۔ ملک میں منشیات کے فروغ کا جو طوفان آیا ہوا ہے اس کا سدّباب کھیلوں میں نئی نسل کو مشغول کر کے برائی کے عمل سے بچایا جا سکتا ہے۔ جو لوگ کھیلوں کے رسیا ہیں عموماً وہ الحمدللہ نشے جیسی لعنت سے اکثر بچے رہتے ہیں۔

کھیلوں کی افادیت کا اعتراف اس حد تک اپنی حیثیت منوا چکا ہے کہ بڑے بڑے سٹیڈیمز ہیں، کھیلوں کے میدان ہیں، ریل کی پٹڑیوں اور سڑکوں کے ساتھ ساتھ کھلی جگہوں پر آپ کو بچے فٹ بال، والی بال، کرکٹ اور گلی ڈنڈا کھیلتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ مختلف گروپوں کی ٹیموں میں آپ کو بعض مدرسوں کے طلبہ بھی کھیلتے ہوئے ملیں گے۔ جو اپنے مخصوص سٹائل میں سب سے منفرد دکھائی دیں گے۔ وہ کرکٹ کے کھلاڑیوں کی کٹ تو نہیں پہنے ہوتے البتہ ان کے سر پر ٹوپیاں دیکھ کر صاف پتہ چل جاتا ہے کہ یہ ''مدرسے کی ٹیم'' ہے۔ بعض مدارس کی روشن خیال انتظامیہ کی طرف سے بچوں میں کھیلنے کے شوق کی حوصلہ افزائی اس امر کی عکاس ہے کہ اب مدارس میں تبدیلی کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ اب یہ، وہ بچے نہیں ہیں جو صرف مدرسے کی چار دیواری میں قیدیوں کی طرح مقید ہیں۔ بچے تو آخر بچے ہی ہوتے ہیں۔ ان کی چہل پہل، ہرنوں کی طرح کلیلیں' اور شرارتیں گویا چوکڑیاں بھرتے ہوئے ہرن اب مدارس سے باہر اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے ہیں۔

مدارس کی چار دیواری کے اندر اور باہر کا ماحول بتدریج بدل رہا ہے۔ تعلیمی ماہرین کا یہ موقف دن بدن باذوق نظر آنے لگا ہے کہ حفظ قرآن کے طلبہ ہوں یا تجوید کے شاگرد، انتظامیہ کے اہلکار ہوں یا مدارس کے اساتذہ، اچھی تعلیم کے حصول میں کھیلیں ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔ سپورٹس ذہن میں فرحت و تازگی پیدا کرتی ہیں اور

ایسے ذہین طلبہ کو کھیلسے دور رکھنا گویا فروغ تعلیم کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا ہیں۔ مدارس کی تعلیم کا اعتراف پہلی بار جنرل ضیاء الحق کے دور میں اس وقت ہوا تھا جب یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے جامعات کی اسناد(الثانویہ العامہ) کو میٹرک اور(الثانو یہ الخاصہ) کو ایف۔ اے (الشہادۃ العالیۃ) کو بی۔ اے اور(الشہادۃ العالمیۃ) کو ایم۔اے کے برابر کا درجہ دینا تسلیم کیا تھا۔ مدارس سے فارغ التحصیل طلبہ کو اپنے ناموں کے ساتھ ایم اے لکھا ہوا دیکھ یک گو نہ خوشی ہوتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ یہ طلبہ معاشرے میں اپنی شناخت کو برقرار رکھنے لگ گئے ہیں۔ اب مختلف حکومتوں کے سامنے یہ مطالبہ رکھا جانے لگا کہ ایم اے کے مساوی تعلیم رکھنے والوں کو مختلف نوکریوں میں کوٹہ دیا جائے۔ حتیٰ کہ اس مدرسہ جاتی تعلیم کا سب سے بڑا اور پہلی بار اعتراف اس جنرل پرویز مشرف کے دور میں کیا گیا کہ جس کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا جاتا ہے۔ آج ایم ایم اے کے بیشتر ارکان اسمبلی اسی کوٹے، اسی اعتراف، اور اسی تسلیمات کی بنیاد پر اسمبلیوں میں بیٹھے ہیں۔ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں مدرسوں سے پڑھے ہوئے ان دینی طلبہ کی صلاحیتوں کا اعتراف آج پوری دنیا کو ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن، قاضی حسین احمد، مولانا شیرانی ا، حافظ حسین احمد اور بہت سے دیگر علماء آخر مدارس ہی کی وہ کھیپ ہیں کہ جن میں سے ایک سے ایک بڑا با سلیقہ، پارلیمانی ہنرمند اور بات سے بات نکالنے کے فن سے آگاہ نظر آتا ہے

یہ ایک بڑی انقلابی تبدیلی ہے چاہے یہ کسی سے عملاً ہوئی ہے یا سہواً۔ بہر حال اس پارلیمانی آؤٹ پٹ (OUT PUT) کا تمام تر سہرا مدارس کو جاتا ہے۔ اب بہت سے مدارس نے کمپیوٹر کو ''مشرف بہ اسلام'' کر لیا ہے۔ مدارس میں تاریخ پاکستان، انگریزی، اور دیگر مضامین پڑھائے جانے لگے ہیں۔

بات بہت آگے نکل گئی۔ ہم پھر اسی زیرو پوائنٹ پر آتے ہیں۔ کیا کسی دانشور نے جنرل پرویز مشرف کو یہ مشورہ نہیں دیا کہ ان مدارس کے درمیان ملک گیر سطح پر سپورٹس شروع کرائی جائیں۔ یہ وہ طلبہ کہ جن کو ہمیشہ مغرب نے تخریب کاری کے روپ میں دیکھا ہے۔ وہ یہ چہرہ بھی دیکھ سکیں کہ یہ وہ معصوم اور بھولے بھالے طلبہ ہیں کہ جن کا جرم صرف دین سیکھنا اور اپنی شکل و شباہت کو دین کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق بنانا ہے حقیقت میں کتنے سادہ اور امن پسند ہیں۔

پوری دنیا جانتی ہے کہ سپورٹس ''امن'' کا اظہار ہوتی ہیں۔ اگر دینی مدارس کے طلبہ سپورٹس میں آگے نکلیں تو تب یہ امن بالکل ''پر امن'' دکھائی دینے لگے۔ جب ہمیں جنرل مشرف کی روشن خیالی اور ترقی پسندی

کے تناظر میں دیکھنا ہوگا تو پھر یہ تسلیم کرنے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے کہ

اس دور کے سلطان سے کچھ بھول ہوئی ہے۔

دینی جامعات کے بین الاضلاعی، بین الصوبائی اور قومی سپورٹس فیسٹیول ہونے چاہئیں تاکہ مغربی میڈیا کو تفریح کے لئے جب وہ فلمیں دکھائے تو حقیقت منہ کھول کر یہ اعتراف کر سکے کہ یہ بچے نہ کسی تخریب کاری میں ملوث ہیں اور نہ تخریب کاروں کے آلہ کار، یہ اپنے کام میں مگن اور اپنی لگن میں یکسو ہو کر قرآن و حدیث پڑھتے ہیں اور وقت کے دھارے میں کھیل بھی کھیلتے ہیں۔

صدر قوم پاکستان کا جو سوفٹ فیس ''دلکش چہرہ'' پوری دنیا کو دکھانا چاہتے ہیں وہ چہرہ خواتین کا نہیں ہوسکتا وہ چہرہ ان مولویوں کا ہی ہوسکتا ہے۔ جو امن کے نہ صرف متلاشی ہیں۔ بلکہ وہ ''سپورٹس مین'' بن کر پوری دنیا کو امن کی طرف دعوت بھی دے رہے ہیں۔ انہی مدارس کے درمیان ''میراتھن ریس'' بھی ہوجاتی تو کیا بات ہے۔ اس میراتھن میں نہ صرف چھوٹی عمر کے طلبہ شریک ہوتے بلکہ پوری ایم ایم اے بھی شامل ہوجاتی۔ آج بھی ملک میں مدارس کی تعداد ہزاروں میں اور وہاں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ اگر اس نظر انداز کئے گئے مظلوم طبقے کو قومی دھارے میں شامل کر لیا جائے تو نہ صرف دینی طلبہ کی حوصلہ افزائی ہوتی دکھائی دے۔ بلکہ صدر کے عالمی پلیٹ فارموں پر مدارس کو دنیا کے سب سے بڑے این جی او (N.G.O) قرار دینے کا اعتراف مزید رنگ ابھارتا۔ جہاد اور تخریب کاری کے درمیان یو این او میں جا کر بڑی دلیری کے ساتھ فرق ظاہر کرنے والے صدر پاکستان کو یہ بھی تو یاد رکھنا چاہیے کہ مدارس کو حکومت کے قریب تر کرنے کیلئے ''سپورٹس مقابلے'' شروع کرنے چاہئیں۔ جن کی سرپرستی ہر ڈسٹرکٹ سپورٹس آفیسر کرے۔ گوجرانوالہ میں بچیوں کی میراتھن ریس تو مرکھپ چکی۔ اب یہ میراتھن مردوں کے درمیان ضرور ہونی چاہیے۔ اور اس میں بڑا حصہ کھیلوں کے میدان میں پیچھے رہ جانے والے ان مدارس سے لینا ہوگا کہ جن پر الزام ہی الزام ہیں۔ حکومت پر لازم ہے کہ وہ ان مدارس کی کھیل پالیسی کی حوصلہ افزائی کرے۔ کامیاب ٹیموں میں انعامات تقسیم کرے۔ قومی سطح پر کھیل کے میدان میں ہر ان ہونہار طلبہ کی صلاحیتوں کا اعتراف کر کے روشن خیالی اور ترقی پسندی کا ثبوت دیا جائے۔ یہ اقدام اٹھا لینے سے بلاشبہ مشرف مخالف طبقے میں نرمائش ہی پیدا ہوسکتی ہے ورنہ مخالفین کی تو کوئی کمی نہیں ہے۔!!!!

مانو نہ مانو جان جہاں اختیار ہے   ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں